جب ابراہیم علیہ السلام
نے
اپنے باپ سے کہا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ط اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا [41] اِذْ قَالَ
لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ
شَيْـًٔا [42] يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ
اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا [43] يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ط اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ
لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا [44] يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ
الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا [45] قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ
يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ج لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا [46] قَالَ سَلٰمٌ
عَلَيْكَ ج سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ط اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا [47] وَاَعْتَزِلُكُمْ
وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّيْ صلے عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ
رَبِّيْ شَقِيًّا [48] فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لا وَهَبْنَا لَهٗٓ
اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ط وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا [49] وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا
وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا [50]

”اور اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرو، بے شک وہ ایک راست باز انسان اور ایک نبی تھا۔ (انہیں ذرا اُس موقع کی یاد دلاؤ) جبکہ اُس نے اپنے باپ سے کہا کہ ”ابا جان! آپ کیوں اُن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سُنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں؟ ابا جان! میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ ابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کریں، شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ ابا جان! مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمٰن کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں“۔ باپ نے کہا: ”ابراہیم علیہ السلام! کیا تُو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تُو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ بس تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے الگ ہو جا“۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا ”سلام ہے آپ کو۔ میں اپنے ربّ سے دُعا کروں گا کہ آپ کو معاف کر دے۔ میرا ربّ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور اُن ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے ربّ ہی کو پکاروں گا، اُمید ہے کہ میں اپنے ربّ کو پکار کر نامُراد نہ رہوں گا“۔ پس جب وہ اُن لوگوں سے اور ان کے معبودانِ غیر اللہ سے جُدا ہو گیا تو ہم نے اُس کو اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو نبی بنایا اور ان کو اپنی رحمت سے نوازا اور ان کو سچی ناموری عطا کی۔“

سورۂ مریم میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر آتا ہے تو اُن کی معجزانہ پیدائش کا بھی تذکرہ ملتا ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت اتنی نمایاں ہے کہ اُن کا تعارف اُن کی خصوصیات کے ذریعے سے کروایا گیا۔ یہاں پر اُن کی شخصیت کی دو اہم خصوصیات

کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ربّ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا [41]

”اور اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرو، بے شک وہ ایک راست باز انسان اور ایک نبی تھا۔“

یقیناً وہ بہت سچے تھے اور بہت زیادہ علم والے اللہ کے نبی تھے۔ نبی کا ایک مطلب تو خبر دینے والا ہے اور دوسرا مطلب ہے عالی مرتبت (بہت اعلیٰ درجہ رکھنے والا)۔
پھر اس راست باز نبی کی دعوت کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ فرمایا:

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ

”[انہیں ذرا اُس موقع کی یاد دلاؤ!] جبکہ اُس نے اپنے باپ سے کہا۔“

یہ باپ کو دی جانے والی دعوت کا ایک رُخ ہے، اس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ باپ اگر غلطی پر ہو تو اس کو بھی ہدایات [Instructions] دی جاسکتی ہیں، نصیحت کی جاسکتی ہے۔ پھر ایسے موقع پر باپ بھی پیروی [Follow] کرے گا کیونکہ دین کے معاملے سے عمر کا کوئی تعلق نہیں ہے، جس کی سمجھ ابتدائی عمر میں زیادہ ہوگئی وہ بڑی عمر والوں کو بھی دین سکھا سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ابا پ اُس وقت کہاں تھا؟۔ عراق میں۔ باپ بت پرست تھا اور بیٹے کو نبوت ملی۔ اُس موقع پر انہوں نے اپنے والد سے کہا:

يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا [42]

”ابا جان! آپ کیوں اُن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سُنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں؟“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ردّ شرک کے لیے پہلی دلیل دی اور پہلی حقیقت کو واضح کیا کہ دیکھیں آپ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سن سکتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں۔ایک عقل مند انسان کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ جب کسی کے پاس کوئی قدرت، کوئی صلاحیت، کوئی اختیار نہیں ہے تو پھر آخر اُس کو معبود بنانے کی کیا گنجائش نکلتی ہے؟

یہ بات بڑی توجہ طلب ہے:

لِمَ تَعۡبُدُ "آپ کیوں عبادت کرتے ہیں؟"

آپ نے غلامی کیوں اختیار کی؟ عبادت (غلامی) کیا ہے؟

☆ انسان کا اپنے آپ کو جھکا دینا۔

☆ خود کو نیچا کر لینا۔

☆ اللہ تعالیٰ کی ذات کی بڑائی بیان کرنا۔

عبادت کی اصل یہی ہے کہ انسان اُس کے سامنے اپنا سر جھکا دے جو اُس سے بڑا ہو۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی چیز کو سامنے رکھا کہ دیکھو! تم دیکھتے ہو اور وہ بت تو دیکھتے ہی نہیں، تم سنتے ہو وہ سنتے بھی نہیں، تم کسی کا کوئی کام بنا سکتے ہو وہ تو یہ بھی نہیں کر سکتے، پھر تم اِن کے سامنے کیوں جھکتے ہو؟ یعنی تم ان بتوں کی غلامی، ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

يٰٓاَبَتِ اِنِّىۡ قَدۡ جَآءَنِىۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَمۡ يَاۡتِكَ فَاتَّبِعۡنِىۡۤ اَهۡدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا [43]

"ابا جان! میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔"

یہ بیٹا ہے جو باپ سے کہہ رہا ہے کہ میں نے ایک ایسا علم سیکھا ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے، آپ وہ علم نہیں رکھتے، آپ میرے پیچھے چلیں۔

آج کا باپ، آج کی ماں کیا کہتی ہے؟

اب ہم تمہاری باتیں مانیں؟

اپنی اولاد کی کیسے مان لیں؟

یہ تعصّب ہے اور حق تعصّب سے کبھی نہیں ملتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد سے کہتے ہیں کہ آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا تو بچے بھی والدین کو سیدھا راستہ دکھا سکتے ہیں اگر وہ حق پر ہوں۔ لہٰذا والدین کو یہ کہنا کہ آپ ہمارے پیچھے چلیں، حق کے معاملے میں یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ یہ تو نبیوں والا کام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ سکھایا تھا کہ آپ نے اپنے والد کو اس طرح سے تلقین کرنی ہے۔

یہ دوسری حقیقت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واضح کی کہ میرے پاس علم ہے، آپ کے پاس نہیں ہے، آپ میرے پیچھے چلیں، راستہ میں دکھاؤں گا یعنی میں آپ کو اس راستے پر چلاؤں گا۔ پھر فرمایا:

يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا [44]

"ابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کریں، شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔"

یہ تیسری حقیقت ہے جو یہاں پر واضح کی گئی، دعوت کا تیسرا نقطہ کہ آپ شیطان کی بندگی نہ کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تو بتوں کی پوجا کرتے تھے، شیطان کی کب کرتے تھے؟ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن سے یہ کیوں کہا کہ آپ شیطان کی بندگی نہ کریں؟

اصل بات یہ ہے کہ عبادت کا مفہوم بہت محدود سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ کسی کی اطاعت

کرنا بھی درحقیقت اُس کی عبادت کرنا ہے۔اس لیے جب شیطان کی اطاعت ہورہی ہے تو یہ بھی عبادت ہے۔عبادت کا مفہوم بڑا وسیع ہے،اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی کی اطاعت نہیں ہوسکتی۔ اس سے کیا پتہ چلتا ہے؟ کہ عبادت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے،اگر ربّ کی بات کو چھوڑ کر کسی اور کی اطاعت ہورہی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اُسی کی عبادت ہورہی ہے،انہی معنوں میں یہاں شیطان کی عبادت کرنے سے روکا گیا ہے۔شیطان کی عبادت سے مراد دراصل بتوں کی طرح اُس کی ذات کی عبادت نہیں ہے بلکہ اُس کی بتائی ہوئی بات کی عبادت ہے اور اُس کی بتائی ہوئی بات کیا ہے؟۔۔۔اُس کا حکم،جس راستے پر وہ انسانوں کو چلانا چاہتا ہے۔

شیطان کی اطاعت ہی درحقیقت اُس کی عبادت ہے۔

انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ کسی کو اپنے سے اونچا سمجھ کر اس کے لیے اپنے والہانہ جذبات کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔اصلاً یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا حق ہے کہ انسان اپنی عقیدت اور محبت اُسی کے لیے خالص کرلے۔جب وہ یہ خالص جذبے کسی اور کے لیے خاص کرتا ہے تو شرک کرتا ہے۔اِس جذبے کا حقیقی محور و مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے،اس لیے ایک انسان صرف اُسی کی عبادت کرنے کا پابند ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی بات مانے۔

لیکن ہوتا کیا ہے؟۔۔۔شیطان انسان کے ذہن کا رخ پھیر دیتا ہے،اُس کو ربّ کی اطاعت سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے،ہدایت کے راستے سے دور کرنے کے لیے

کبھی اُسے بھُلا دیتا ہے۔

کبھی غافل کرتا ہے۔

کبھی اُس کو پریشان کرتا ہے۔

کبھی اُس کو کسی گھبراہٹ میں مبتلا کرتا ہے

اور کبھی نیکی کے کام کو اتنا بڑا بنا دیتا ہے کہ جیسے کوہ ہمالیہ کو سر کرنا۔

یعنی انسان کو یوں لگتا ہے کہ دم نکل جائے گا یہ کام نہیں ہوگا اور اس طریقے سے شیطان

اُس سے اپنی بندگی کرواتا ہے اور اپنی اطاعت کے لیے اُسے مجبور کرتا ہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے سامنے شیطان کی پیروی کی وجہ سے مبتلائے عذاب ہو جانے کے ڈر کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا [45]

''ابا جان! مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمٰن کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں''۔

یعنی اگر آپ نے یہی طریقۂ زندگی جاری رکھا تو پھر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آپ پر آ جائے۔۔۔۔۔۔اتنی سادہ اور اتنی بڑی تبلیغ؟

چار نکاتی پروگرام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واضح کیا:

پہلی بات: ''آپ کیوں ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ دیکھتی ہیں، نہ سنتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام ہی بنا سکتی ہیں؟''

دوسری بات: ''میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کی رہنمائی کروں گا۔''

تیسری بات: ''آپ شیطان کی اطاعت، اُس کی بندگی نہ کریں کیونکہ شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے۔''

چوتھی بات: ''مجھے ڈر لگتا ہے کہ اگر آپ نے یہی سلسلہ جاری رکھا تو آپ پر رحمٰن کا عذاب نہ آ جائے۔''

آپ کو دعوت کا یہ اسلوب کیسا لگا؟

کتنی سیدھی، سچی، کھری اور سادہ بات ہے۔ بیماری کو کیسے اُجاگر [highlight] کیا گیا ہے؟ باتوں کو بیٹھ کر سننا، لکھنا اور پڑھنا تو بہت آسان ہے لیکن جب ایسی صورتحال سے گزرنا پڑتا ہے تب اصل بات سمجھ میں آتی ہے۔ آگے ایسی ہی صورتحال کا تذکرہ ہے جس میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام گزرے تھے۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا [46]

باپ نے کہا: ''ابراہیم علیہ السلام! کیا تُو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تُو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا۔ بس تُو ہمیشہ کے لیے مجھ سے الگ ہو جا۔''

باپ برداشت نہیں کرسکا، اُس علم کو بھی نہیں مانا، وہ دلیل کی بات بھی گئی کہ جن کی آپ عبادت کرتے ہو وہ نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں، نہ کام بنا سکتے ہیں اور باقی باتوں کو بھی نظر انداز کردیا، شیطان کی اطاعت کی اور رحمٰن کی بات کو رد [Reject] کردیا بس ایک ہی بات اس کے دل کے اندر ہے:

اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ ''کیا تُو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟''

یعنی کیا تُو میرے طریقہ زندگی سے پھر گیا؟ میں نے جو طریقہ اختیار کیا تھا تُو نے اُس کو غلط کہا؟

انسان جب حق کے راستے پر چلتا ہے تو اُس کی زندگی میں یہ موڑ ضرور آتا ہے۔ پھر اگر وہ ڈٹ کر رہنا چاہے، جمنا چاہے اور ثابت قدم رہنا چاہے تو دوسرے رہنے نہیں دیتے، پھر دھمکیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں بلکہ عملی طور پر اپنے پیاروں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کا سامنا کیا، ایسے ہی کبھی والدین، کبھی شوہر، کبھی رشتے دار اور کبھی سوسائٹی کے دیگر زور آور طبقات راستے میں آجاتے ہیں۔

یہاں پر کن معبودوں کا ذکر ہے؟ کیا یہ سادہ بت تھے یا کسی کے نمائندے تھے؟ اصل میں یہ صرف پتھر، مٹی، لکڑی، تانبے اور لوہے کے ٹکڑے نہیں تھے بلکہ ان ہستیوں کے نمائندے تھے جن کی طلسماتی شخصیت اُن کے ہاں بڑی عظمت کا مقام حاصل کر چکی تھی۔ تمام معاشروں [societies] میں کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کی عظمت لوگوں کے ذہنوں پر چھائی رہتی ہے اور باقی تمام چیزوں کو اُن کے مقابلے میں حقیر سمجھا جاتا ہے۔ ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کی نظر میں جو ہستیاں بڑی تھیں ان کے مقابلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات انہیں بہت چھوٹی لگی، اسی وجہ سے اُنہوں نے بڑی حقارت اور نفرت سے اِنہیں نظر انداز کر دیا۔ پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ ڈراوا دیا کہ:

"اگر تُو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا، بس تُو ہمیشہ کے لیے مجھ سے الگ ہو جا۔"

دعوت کا یہ مقام کیسا ہے؟۔۔۔ کہ دعوت دی جائے تو کوئی جارحیت پر اتر آئے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب کبھی جارحیت کا آغاز ہو جاتا ہے تو پھر دعوت دینے والے کو مقام بدلنا پڑتا ہے اور یہاں پر تو باپ خود اپنے بیٹے سے کہہ رہا ہے کہ تُو ہمیشہ کے لیے مجھ سے الگ ہو جا۔ الگ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کہ تم ہجرت کر جاؤ، مقام بدل ڈالو، بس میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔

کتنے ہی انبیاء علیہم السلام ہیں جنھیں ہجرت کرنی پڑی اور چونکہ سورہ مریم کے نزول کے فوراً بعد مسلمانوں نے ایک ہجرت کرنی تھی تو اسی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے کہ دیکھو! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کتنے سخت حالات کا سامنا کیا اور ان کے والد نے ان سے کہا تھا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ لہٰذا اگر آج مسلمان بُرے حالات کا سامنا کر رہے ہیں تو یہ وہی قدیم طریقہ ہے لیکن اِن سخت حالات اور باتوں کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو کس انداز میں جواب دیا:

قَالَ سَلٰمٌ عَلَیۡکَ ۚ "ابراہیم علیہ السلام نے کہا: سلام ہے آپ کو۔"

کتنا فرق ہے، باپ کہتا ہے کہ "تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے الگ ہو جا" اور یہاں کیسی نرمی اور محبت ہے، ابراہیم علیہ السلام کا دل کیسا ہے۔ قرآن حکیم میں ان کی خصوصیات بتاتے ہوئے ربّ العزت نے فرمایا:

اِنَّ اِبۡرٰہِیۡمَ لَحَلِیۡمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیۡبٌ [ھود:75]

"حقیقت میں ابراہیم علیہ السلام بڑا بردبار، بہت آہیں بھرنے والا اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والا تھا۔"

اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ٹھیک ہے، سلام ہے آپ کو اور میں آپ کے لیے سلامتی کی دعا ہی کر سکتا ہوں۔

سَاَسۡتَغۡفِرُ لَکَ رَبِّیۡ ؕ

"میں اپنے ربّ سے دُعا کروں گا کہ وہ آپ کو معاف کر دے۔"

باپ اپنا نہیں، ربّ اپنا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رشتوں میں سے کون سا رشتہ آگے رکھا؟۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا رشتہ۔ یہی سبق ہے ہمارے لیے بھی کہ کوئی رشتہ اللہ تعالیٰ کے رشتے سے آگے نہیں، اس لیے کہ وہی سچا رشتہ ہے، وہی اصلی تعلق ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اس سچے رشتے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اِنَّہٗ کَانَ بِیۡ حَفِیًّا [47] "میرا ربّ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔"

وہ اپنے والد کو بتا رہے ہیں کہ آپ تو نامہربان ہیں، مجھے کہتے ہیں کہ نکل جاؤ اور میں تمہیں سنگسار کر دوں گا۔

اور میرا ربّ۔۔۔ تعلق کتنا نکھر کر سامنے آرہا ہے۔ جب تک ماحول کے اندر اتنی شدت پیدا نہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ کے تعلق میں پختگی بھی نہیں آتی، اُس کی محبت کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ ابراہیم علیہ السلام اظہار کس بات کا کرتے ہیں؟ کہ میرے اوپر اُس کی بڑی مہربانی ہے۔ میں بھی اُسی سے کہوں گا کہ وہ آپ کو معاف کر دے، آپ کے گناہوں پر آپ کی مغفرت فرما دے اور ٹھنڈے مزاج سے فیصلہ سُنا دیا کہ ٹھیک ہے اگر یہی راستہ ہے تو

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

''میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور ان ہستیوں کو بھی جنھیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہیں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود کو بری الذّمہ قرار دے دیا کہ اب میرا کوئی تعلق نہیں ہے، کس سے؟۔۔۔ اپنے باپ سے۔ کون ہے جو اپنے باپ کو چھوڑتا ہو؟ یہ ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

کتنی ہجرتیں ہیں شخصیت کی تعمیر میں؟

کتنی محبتیں، کتنے رشتے چھوڑ دیے؟

ایسے ہی نرم دلی نہیں آئی تھی، ایسے ہی اللہ تعالیٰ سے محبت کا اتنا گہرا تعلق نہیں بنا تھا۔ اب بات اس موڑ تک آن پہنچی ہے کہ میں آپ کو تو چھوڑ سکتا ہوں اللہ تعالیٰ کو نہیں چھوڑ سکتا، اس وجہ سے کہ آپ کا نقطۂ نظر غلط ہے، آپ اِن بتوں کے پیچھے بھاگتے ہیں تو بھاگ لیں، ٹھیک ہے سارے زمانے نے نفی کر دی لیکن میں قائم ہوں۔ فرمایا:

وَ اَدْعُوْا رَبِّیْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا [48]

''میں تو اپنے ربّ ہی کو پکاروں گا، اُمید ہے کہ میں اپنے ربّ کو پکار کر نامراد نہ رہوں گا۔''

یعنی آپ تو مجھے محروم کرنا چاہتے ہیں، مجھ پر سختی کر رہے ہیں لیکن میرا ربّ مجھے کبھی نامراد نہیں کرے گا، میں تو اپنے ربّ سے ہی مانگوں گا۔

یہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کا کون سا پہلو نمایاں ہو رہا ہے؟ ایک ہی تو پہلو نظر آ رہا ہے ربّ کے ساتھ تعلق کا۔ کہ ایک اللہ کے سوا سب کچھ چھوڑ دوں گا، اُس کے سوا کسی اور کو نہیں پُکاروں گا، اگر پُکاروں گا تو صرف اپنے ربّ کو، میرا تعلق تو میرے ربّ کے ساتھ ہے، وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے، اگر میں اُس کو پکاروں گا تو نامراد نہیں رہوں گا، کتنا حسنِ ظن ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں۔ ربّ العزت نے کون سی مہربانیاں کیں؟ فرمایا:

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا [49]

"پس جب وہ اُن لوگوں سے اور اُن کے معبودانِ غیر اللہ سے جُدا ہو گیا تو ہم نے اُس کو اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو نبی بنایا۔"

اللہ تعالیٰ کی مہربانی کب ہوتی ہے؟ جب انسان نامہربان ہو جاتے ہیں۔

اتنا بڑا کرم، اتنی بڑی رحمت۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ مہربان ہے، سب پر مہربانیاں کرتا ہے لیکن مافوق الفطری طریقے سے خاص مہربانیاں، خاص رحمتیں اُس وقت ہوتی ہیں جب انسان ساری دنیا سے منہ موڑ کر ربّ کا ہو جاتا ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت سارہ علیہا السلام کی اولاد تھے جو پہلے بانجھ تھیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہیں لیکن دادا کی زندگی میں پیدا ہوئے۔ دادا نے تربیت کی تھی یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اتنا موقع دیا کہ وہ اپنے پوتے کو بھی کھلائیں یعنی بڑھاپے میں اولاد دی لیکن اس کے باوجود حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے سیکھنے کے بہت سے مواقع پیدا کر دیے، انہوں نے براہِ راست اپنے دادا سے دین کو سیکھا اور اپنی

اولاد کو سکھایا۔ دادا اور پوتے کا کتنا خوبصورت تعلق ہے، دادا اور پوتے کا ایسا تعلق آج کہیں دیکھنے میں آتا ہے؟ اور سچی بات یہ ہے کہ جہاں دادا اپنے پوتے کے لیے اتنا زیادہ مخلص ہو وہاں پھر آنے والی نسلوں میں دین آخر کیوں نہ آئے۔ یہ خلوص کا مفقود (غائب) ہونا ہے کہ جس کی وجہ سے آج نسلیں بگڑی ہوئی ہیں۔ پھر فرمایا:

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا [50]

"اور ان کو اپنی رحمت سے نوازا اور ان کو سچی ناموری عطا کی۔"

اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ دیکھو! جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا گھر چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر رحمتیں کیں اور سچی ناموری عطا کی، یعنی لوگ تو اُن کا نام ہی مٹا دینا چاہتے تھے، اُن کے بارے میں پراپیگنڈہ کر رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کو سچی ناموری عطا کر دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سچی ناموری کے پیچھے ان کی شخصیت کی خاص باتوں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے جو اسی رکوع کے اندر موجود ہیں۔

آپ علیہ السلام ایک سچے داعی، دین کی دعوت دینے والے، اپنے گھر والوں کو سب سے پہلے دین کی طرف بلانے والے ہیں، اُن کو اللہ تعالیٰ نے کیسا مہذب بنایا ہے کہ اپنے والد سے کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو، کوئی جھگڑا نہیں، قتل کا ارادہ نہیں، نہ تردید ہے، نہ دھمکی، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزاج ہے لیکن اعلان کس چیز کا کیا؟ کہ

"میں اپنے ربّ سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کو معاف کر دے۔"

کتنا اخلاص، کتنی محبت ہے والد کے لیے لیکن دوسری طرف والد کا رویہ کیسا ہے؟۔۔ برباد ہونے والوں کے رویے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ کہا کہ "اگر تُو باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر دوں گا، بس تُو ہمیشہ کے لیے مجھ سے الگ ہو جا۔"

باپ کتنا ظالم ہے، یہ کفر ہے۔ جو انسان بھی کفر کا رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ اس کو برباد

کر دیتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کی شخصیت سے ہمیں یہی پتہ چلتا ہے۔

اور جو انسان بھی ربّ کے راستے پر چلتا ہے تو کیسی شخصیت وجود میں آتی ہے؟

☆ سچّا داعی۔

☆ اعتماد کرنے والا۔

☆ انتقام نہ لینے والا۔

☆ سچی دعوت دینے والا۔

☆ کوئی دھمکی نہ دینے والا۔

☆ ربّ پر توکّل کرنے والا۔

☆ کسی سے کوئی توقع نہ رکھنے والا۔

☆ بے غرض، اخلاص اور محبت رکھنے والا۔

☆ اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے رشتے داروں تک سے جدا ہونے والا۔

ان خصوصیات سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں اور انہی چیزوں سے ربّ العزت ناموری عطا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمارے اندر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی خصوصیات پیدا کر کے ہمیں سچی ناموری عطا فرمائے۔ [آمین]

[سی ڈی سے تدوین، تعلیم القرآن 2006ء]